بسنت کی حقیقت

﴿آغاز سے انجام تک﴾

یاسر محمد خان

آئے دن نئے نئے نقصانات کا وقوع ہوتا ہے جس میں مالی نقصان کے علاوہ بہت سے انسانی قیمتی جانیں بھی ضائع ہو رہی ہیں درحقیقت یہ غیر اسلامی تہوار ہے جو شرعاً ممنوع اور حرام ہے اس سلسلہ میں عزیزم یاسر محمد خان کا تحقیقی مضمون قارئین کے افادہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

نمبر شمار:	ذیلی عنوانات	نمبر شمار:	ذیلی عنوانات
۱:	بسنت کا آغاز	۸:	بسنت سرکاری سرپرستی میں
۲:	بسنت مذہبی تہوار کیسے بنا؟	۹:	دو دشمن طاقتیں اور ان کے مقاصد
۳:	پتنگ بازی کی تاریخ	۱۰:	ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار ہتھکنڈے
۴:	موسمی کھیل	۱۱:	بسنت کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا
۵:	بسنت اور حضرت امیر خسرو	۱۲:	بسنت کی شہرت کیسے ہوئی
۶:	قومی تہوار اور اس کی تقسیم	۱۳:	بسنت کی مُضر اثرات
۷:	جشن بہاراں		

بابر ہندوستان پہنچا تو اس نے مقامی لوگوں کو عجیب تہوار مناتے دیکھا۔ اس نے دیکھا لوگ بہار کے پہلے ہفتے پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے، ڈھول بجاتے اور ناچتے ہیں۔ بابر یہ تہوار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا مقامی لوگ اسے استقبال بہار کا تہوار کہتے ہیں۔ مقامی زبان میں اس تہوار کا نام ''بسنت'' تھا۔ بابر نے اس تہوار کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ آنے والے دنوں میں مغل شہزادیاں بھی یہ تہوار مناتی رہیں۔

بسنت کا آغاز:

بسنت کا آغاز ہندوستان کے دو صوبوں میں ہوا۔ اُتر پردیش اور پنجاب۔ مورخین یہ طے نہیں کر سکے کہ بسنت پہلے اُتر پردیش میں منائی گئی۔ یا پھر پنجاب میں۔ تاہم پیلے رنگ کی مناسبت سے قرین قیاس اس تہوار کی جائے پیدائش پنجاب ہے۔ یہ تہوار جس وقت منایا جاتا تھا۔ وہ سرسوں پھولنے کا موسم ہوتا تھا۔ پنجاب کے کھیتوں میں سرسوں کے پھول لہلہا رہے ہوتے تھے۔ سرسوں کے پھول پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ تہوار منانے والے بھی کیونکہ پیلے رنگ کے کپڑے پہنتے تھے۔ لہٰذا مؤرخین کا خیال ہے۔ اس تہوار کا سرسوں سے گہرا تعلق ہے۔ سرسوں کا پھول موسم بہار کی آمد کا اعلان ہوتا ہے۔ پنجاب کے لوگ سرسوں پھولتے ہی اپنے مال مویشی

باڑوں سے نکال کر صحنوں میں باندھنا شروع کر دیتے ہیں۔ بھاری لحافوں کی جگہ ہلکی رضائیاں اور گرم چادروں کی جگہ بغیر بازوؤں کے سوئٹر لے لیتے ہیں۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے۔ بسنت سردی کے اختتام اور موسم بہار کی آمد کا تہوار ہے۔ وہ اس ضمن میں ہندی کی ایک ضرب المثل بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ''بسنت، پالا اڑنت'' یعنی بسنت آئی اور سردی اُڑ گئی۔ یہ تہوار پنجاب سے اُتر پردیش کیسے پہنچا اور اُتر پردیش سے پھر آگے ہندوستان کے باقی حصوں تک اس کی رسائی کیسے ہوئی؟۔ اس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔ شاید اس کی بڑی وجہ یہ ہو کہ یہ تہوار ہندوستان میں کبھی قومی تقریب کی شکل اختیار نہیں کر سکا۔ یہ سچ ہے۔ یہ ہر دور میں منایا جاتا رہا۔ لیکن ملک گیر سطح پر کبھی اسے پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ اس لئے آج تک کسی نے پوری سنجیدگی سے اس کی جڑوں، اس کی اوریجن کے بارے میں تحقیق نہیں کی لیکن یہ بات طے ہے۔ کہ ہندوستان میں اشوک کا دور ہو، بابر یا بہادر شاہ ظفر کا عہد، بسنت ہر دور میں کم اہم اور غیر مقبول تہوار رہا۔ شروع شروع میں اسے پنجاب کے کسان، اُتر پردیش کے دہقان اور مدراس کے غریب ہاری مناتے تھے۔ مغلوں نے اس کی سرپرستی شروع کی تو یہ امراء کے محلات سے باہر نہ نکل سکا۔

بسنت مذہبی تہوار کیسے بنا؟۔

اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ اس واقعے نے بسنت کو تاریخ میں پہلی بار ثقافتی سے مذہبی تہوار میں تبدیل کر دیا۔ اورنگزیب کے دور میں حقیقت رائے نام کے ایک لڑکے نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر رکیک حملہ کیا۔ مسلمانوں نے اسے مغلظات بکتے ہوئے پکڑ لیا، ملزم کو عدالت میں پیش کیا گیا۔ قاضی نے جرم ثابت ہونے پر حقیقت رائے کو سزائے موت سنا دی۔ حقیقت رائے پھانسی کی سزا پا کر ہندوؤں کا مذہبی ہیرو بن گیا۔ جس دن حقیقت رائے پھانسی دی گئی۔ ہندوؤں نے پیلے رنگ کے کپڑے پہنے، حقیقت رائے کی لاش اٹھائی اور گاتے بجاتے ہوئے اسے شمشان گھاٹ تک لے گئے۔ مسلمانوں نے اسے توہین آمیز قرار دیا لیکن ہندوؤں نے پیلے کپڑے اور رقص و سرور کو بسنت کہہ کر جان بچائی۔ اگلے سال ہندوؤں نے حقیقت رائے کی برسی منائی۔ اور اس برسی پر پیلے کپڑے پہن کر اور ناچ گا کر حقیقت رائے سے اپنی وابستگی اور عقیدت کا اظہار کیا۔ بعض مورخین کا خیال ہے۔ بسنت کے تہوار پر پہلی پتنگ بھی حقیقت رائے کی سمادھی پر ہی اڑائی گئی تھی۔

پتنگ بازی کی تاریخ:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا ہندوستان میں اس سے پہلے پتنگ موجود تھی؟۔ کیا بسنت کے تہوار پر پتنگ بازی بھی ہوئی تھی؟ جہاں تک پتنگ کے وجود کا سوال ہے۔ ہندوستان میں پتنگ بازی کا فن صدیوں سے موجود تھا۔ یہ پتنگ کی ایجاد کا سہرہ دو اقوام لیتی ہیں۔ چینی اور مصری۔ چینیوں کا دعویٰ ہے۔ پہلی پتنگ ۴۰۰ سال قبل مسیح میں چین میں بنائی اور اڑائی گئی، اس کے بعد چین کی اشرافیہ اپنے اکثر تہواروں اور تقریبات میں پتنگیں اڑاتی تھی۔ شاہی خاندان پتنگ سازوں کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس دور میں پتنگ

سازی کے ماہرین کو دربار میں عہدہ دیا جاتا تھا۔ چینیوں کے برعکس مصریوں کا دعویٰ ہے۔ کہ پتنگ سازی فراعین کے دور میں موجود تھی۔ اس ضمن میں وہ اہراموں سے برآمد ہونے والی تصاویر اور بت بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان تصاویر میں فرعون کو پتنگیں اڑاتے دکھایا گیا تھا۔ مصریوں کا کہنا تھا۔ یہ فن مصری جہاز رانوں یا تاجروں کے ذریعے چین پہنچا، چینی بادشاہوں نے اسے شرفِ قبولیت بخشا اور یوں پتنگیں چین میں رائج ہوگئیں۔ مصر میں چونکہ پتنگ بازی صرف شاہی خاندان تک محدود تھی۔ لہٰذا اسے شاہی کھیل سمجھا جاتا تھا۔ اور عام آدمی کو یہ کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں تھی۔ چنانچہ وہاں یہ کھیل کھل کر سامنے نہ آسکا جبکہ چین میں بادشاہوں نے اسے عام کر دیا۔ یوں پتنگ چینیوں کی ایجاد محسوس ہونے لگی۔ اگر ہم مصریوں کے دلائل تسلیم کرلیں۔ تو پھر پتنگ بازی کی تاریخ ۵ ہزار سال قبل مسیح ہے۔ لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے۔ کہ پتنگ چین سے ہو کر ہی برصغیر اور پھر یورپ پہنچی، برصغیر میں پتنگ بازی، پتنگ سازی اور پتنگ کو بطور صنعت قائم کرنے کا اعزاز بدھ مت کے پیروکاروں کو حاصل ہے۔ بدھ بھکشو پہلی پتنگ ہندوستان لے کر آئے۔ ہندوستان کے باسیوں کے لئے یہ ایک بالکل نئی اور حیران کن چیز تھی۔ لہٰذا یہ بڑی تیزی سے پورے ہندوستان میں رائج ہوگئی۔ ہندو راجوں اور مہاراجوں نے اس کی پذیرائی کی۔ اپنی نگرانی میں پتنگیں تیار کرائیں، پتنگیں اڑانے کے لئے ٹیمیں بنائیں اور پھر عوام کو یہ ''میچ'' دیکھنے کی دعوت دی۔

موسمی کھیل:

شروع شروع میں پتنگیں ہر موسم میں اڑائی جاتی تھیں، لیکن پھر تجربے سے معلوم ہوا یہ بھی ایک موسمی کھیل ہے۔ یہ کھیل موسم سرما میں ہوا کی کمی، برسات میں ہوا میں موجود نمی اور موسم گرما میں تیز دھوپ اور اندھی طوفان کے باعث نہیں کھیلا جاسکتا۔ اس کے لئے مناسب ترین موسم بہار ہے، اس موسم میں کیونکہ ہوا میں نہ تو حد سے زیادہ نمی ہوتی ہے۔ اور نہ ہی تیزی، یہ کھیل کھیلنے والے بھی موسم کی شدت سے بڑی حد تک محفوظ رہتے ہیں۔ چنانچہ پتنگ بازی بھی موسم بہار میں شروع ہوگئی۔ اب بہار میں دو کھیل ہونے لگے ایک بسنت اور دوسری پتنگ بازی۔ گو یہ دونوں کھیل بہار میں کھیلے جاتے تھے۔ لیکن ایک طویل عرصے تک الگ الگ رہے۔ پھر حقیقت رائے کا معاملہ ہوا اور تاریخ میں پہلی بار بسنت اور پتنگ ایک ہی شخص کی سمادھی پر منائی گئی۔ اور شخص بھی وہ ہے جس نے گستاخی رسول میں موت کی سزا پائی تھی۔

بسنت اور حضرت امیر خسرو:

بسنت کی تاریخ میں ایک اور مسلم شخصیت کا نام بھی آتا ہے۔ وہ تھے۔ ''حضرت امیر خسرو'' وہ تیرہویں صدی میں بہار کے پہلے ہفتے پیلا چوغا پہنتے اور گاتے تھے۔ وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟۔ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس دلیل نہیں ملتی، بعض مورخین کا خیال ہے۔ یہ بھی ان کی ایک مجذوبانہ ادا تھی۔ وہ اس ادا کے ذریعے اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کا مزید قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن یہ بسنت وہ بسنت نہیں تھی۔ جو ہندو مناتے تھے۔ اور نہ ہی اس بسنت میں پتنگ بازی شامل تھی۔ بسنت کے ''کھاتے'' میں شاہ حسین کا نام بھی آتا ہے۔ شاہ حسین ایک ہندو لڑکے مادھولعل کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ مادھولعل کو پتنگیں اڑانے کا بہت

شوق تھا۔شاہ حسین اس کا شوق پورا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ان کا انتقال ہوا اور ان کا مزار مادھولعل حسین کہلایا تو ان کے زائرین نے ہر سال ان کی مزار پر دو تہوار منانے شروع کر دیے، ایک تہوار کو میلہ چراغاں کا نام دیا گیا۔اور دوسرے کو بسنت کہا گیا۔میلہ چراغاں میں مزار اور اس کے گرد و نواح میں چراغ جلائے جاتے اور بسنت کے دن ڈھول پیٹے اور پتنگیں اڑائی جاتی تھیں۔درحقیقت اس دور میں بسنت کا تہوار بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا تھا۔لیکن یہ بھی سچ تھا کہ یہ تہوار صرف مادھولعل حسین کے مزار اور میلے تک محدود تھا۔

قومی تہوار اور اس کی تقسیم:

بسنت کا اصل پذیرائی مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دور میں حاصل ہوئی، مہاراجہ نے اسے قومی تہوار کا درجہ دیا، بسنت کے دن لاہور کے شاہی قلعے سے بسنت کا ایک شاندار جلوس نکلتا، جلوس کے شرکاء نے پیلے چوغے اور پیلی پگڑیاں پہن رکھی ہوتیں، وہ ڈھول اور شہنائی کی آواز پر ناچ رہے ہوتے، مہاراجہ اس جلوس کی قیادت کر رہا ہوتا، یہ جلوس اس شان سے شاہی باغ پہنچتا کہ سارے راستے رعایا پیلے کپڑے پہن کر دونوں اطراف کھڑے ہوتے، جلوس پر گل پاشی کر رہے ہوتے اور مہاراجہ کے حق میں نعرے لگا رہے ہوتے، شاہی باغ پہنچ کر پتنگ بازی کا مقابلہ ہوتا، گو اس دور میں اس تہوار کا سرکاری حیثیت حاصل تھی۔لیکن اس عہد میں بھی پتنگ بازی صرف شالیمار باغ تک محدود تھی۔راجہ رنجیت سنگھ کے بعد یہ تہوار عوامی ہو گیا۔

عوامی دور کا یہ تہوار تین حصوں میں تقسیم ہو گیا۔سکھوں کی بسنت، مسلمانوں کی بسنت اور ہندوؤں کی بسنت۔سکھ اپنی بسنت گردوارہ منکت سنگھ، ہندو حقیقت رائے کی سمادھی اور مسلمان مادھولعل حسین کے مزار پر مناتے۔یہ ایک محدود قسم کے تہوار ہوتے جن میں چند سو لوگ شریک ہوتے۔

جشن بہاراں:

انگریز آئے تو انہوں نے مقامی ثقافت کی ترویج کا فیصلہ کیا، انگریزوں کا خیال تھا۔ہر وہ تہوار جو مقامی لوگوں کی اخلاقیات پر برا اثر ڈال سکتا ہے۔اسے سرکاری سرپرستی فراہم کی جائے، جان لارنس لاہور میں انگریز گورنر جنرل کا سیاسی نمائندہ ہوتا تھا۔اسے بسنت کا تہوار ''مناسب'' دکھائی دیا۔لہٰذا اس نے ۱۸۴۸ میں پہلی بار ''جشن بہاراں'' منانے کا اعلان کیا، یہ بسنت کا ہفتہ بھی کہلایا، اس ہفتے لاہور میں ناچ گانے، پتنگ بازی اور شراب کا عام استعمال ہوا، یہ وہ ہفتہ تھا۔جس میں اخلاقی جرائم کا ناقابل دست اندازی پولیس قرار دے دیا گیا۔مؤرخین لکھتے ہیں۔اس ہفتے لاہور کے شرفاء نے گلی کوچوں میں قدم تک نہ رکھا۔کیونکہ ان کا خیال تھا۔کہ گلی کوچوں میں غنڈے ان کے ساتھ بدتمیزی کریں گے۔جس سے ان کی عزت پر حرف آئے گا۔۲۰۰۲ء کو تقریباً ۱۵۴ برس بعد جنرل پرویز مشرف نے جان لارنس کی پیروی میں جشنِ بہاراں منایا جس سے یقیناً جان لارنس کی روح کو طمانیت نصیب ہوئی ہوگی۔اور اسے اپنے ہم ذہنوں کی کارکردگی پر خوشی ہوئی ہوگی۔

بسنت سرکاری سرپرستی میں:

لاہور میں پتنگ بازی اور بسنت منانے کی روایت پاکستان بننے سے پہلے سے موجود تھی۔ اس دور میں لاہور کا منٹو پارک (اب اقبال پارک) پتنگ بازی کے مقابلوں کے لئے مختص تھا، منٹو پارک میں پتنگوں کی تیس چالیس دکانیں تھیں، بسنت کے دنوں میں ''زندہ دلانِ'' لاہور منٹو پارک میں جمع ہوتے، پتنگ بازی کے مقابلے کرتے اور چیخ چلا کر خوشیاں مناتے، اس دور میں پتنگ بازوں کے سردار کو ''استاذ'' کہا جاتا تھا۔ ''تم بڑے استاد ہو'' کا محاورہ انہیں دنوں پیدا ہوا، اس ''استاذ'' کو لاہور میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بعدازاں یہ عہدہ کبوتر بازوں، موٹر مکینکوں اور ڈرائیوروں نے آپس میں بانٹ لیا۔ پاکستان بننے کے بعد بسنت کا تہوار فوت ہو گیا۔ لیکن پتنگ بازی کا سلسلہ جاری رہا، بھارت میں بھی بسنت کا تہوار زوال پذیر ہو گیا۔ اس کی بڑی وجہ بسنت کا غیر مذہبی تہوار ہونا تھا۔ ہندو مت میں صرف وہ رسمیں وہ تہوار اور وہ جشن زندہ رہتے ہیں۔ جنہیں مندر اور پروہت کی آشیر باد حاصل ہوتی ہے۔ بسنت کیونکہ ایک خالصتہ ثقافتی تہوار تھا، اس کا تعلق بھی مسلم اکثریتی صوبے پنجاب سے تھا۔ لہٰذا پاکستان بننے کے بعد یہ تہوار بھارت میں جڑ نہ پکڑ سکا جبکہ پاکستان میں ابتدائی ۱۳ برس لاہور میں بسنت نام کا کوئی تہوار نہیں ہوا۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی میں منٹو پارک میں ایک بار پھر پتنگ بازی کے مقابلے شروع ہو گئے۔ ان مقابلوں کو کسی ستم ظریف نے ''بسنت'' کا نام دے دیا۔ یوں ایک بار پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہاں سے پتنگ بازی کی وبا شاہدرہ، شالیمار باغ اور بادامی باغ پہنچی۔ ایوب خان کی حکومت آئی تو فوج کو عوامی توجہ ان کے اصل مسائل سے ہٹانے کی ضرورت پیش آئی لہٰذا فوجی حکومت نے بسنت قسم کے لغو اور فضول سلسلوں کی معاونت اور سرپرستی کا فیصلہ کیا۔

ایوب خان کی شکل میں فوجی اور نیم فوجی دور کو دس برس ہو چکے تھے۔ ایوب خان اور ان کے حواری کوشش کے باوجود عوام میں اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سہارا دینے میں ناکام ہو رہے تھے۔ اس وقت وزارت ثقافت نے حکومت کو ایک ایسا منصوبہ بنا کر دیا جس کے ذریعے عوام کی نفرت کا رُخ بدلا جا سکتا تھا۔ لوگوں کو تہواروں اور تقریبات میں اُلجھا کر ان کی توجہ ملک کے اصل ایشوز سے ہٹائی جا سکتی تھی۔ لہٰذا ۱۹۶۶ء میں پہلی بار لاہور میں شہر کی سطح پر بسنت منائی گئی۔ یہ کوشش اس کے باوجود پوری طرح کامیاب نہ ہو سکی۔ کہ حکومت نے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اخبارات کو بسنت کی ترویج اور تہوار کی نشر و اشاعت کے لئے خصوصی صفحات جاری کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس دور میں بین الاقوامی سطح پر ایک نئی تبدیلی آئی۔

دود شمن طاقتیں اور اُن کے مقاصد:

ملٹی نیشنل کمپنیوں نے اپنے کاروبار کی توسیع کے لئے تیسری دنیا کا رخ کیا، جب یہ کمپنیاں غریب ممالک میں آئیں تو انہوں نے محسوس کیا۔ مشرق اور مغرب کی تہذب اور ثقافت میں بہت فرق ہے۔ اس فرق کے باعث ان کے مشروبات، ان کے لباس، ان کی طرز رہائش، ان کی بیماریاں، ان کی بیماریوں کے علاج اور ان کے تہواروں میں بہت فرق ہے۔ اب ظاہر ہے۔ جس جگہ شکر کا شربت پیا

جاتا ہو، لسی جس علاقے کا مشروب ہو وہاں کوک یا چائے کی کیا گنجائش نکلے گی؟۔ جس علاقے کے ۹۰ فیصد تمباکو نوشی حقہ پیتے ہوں وہاں گولڈ لیف یا ولز کی مارکیٹ کہاں پیدا ہوگی؟۔ جہاں لوگ شلوار قمیص پہنتے اور دھوتی باندھتے ہوں۔ اس ملک میں جینز اور جیکٹ کون خریدے گا؟۔ اور جس علاقے میں لوگ نزلے کا علاج جوشاندے سے کرتے ہوں۔ وہاں اینٹی بائیٹک کی خرید وفروخت کا کیا امکان ہوگا؟۔ لہٰذا ملٹی نیشنل کمپنیوں نے سوچا جب تک وہ تیسری دنیا کی ثقافت نہیں بدلیں گی۔ ان کے کاروبار کی سرحدیں آگے نہیں پھیلیں گی۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ۶۰ کی دہائی کے آخر میں پوری دنیا کی ثقافت میں ''مساوات'' پیدا کرنے کا عملی کام شروع کر دیا۔ اس ضمن میں چار شعبے منتخب کیے گئے۔

ملٹی نیشنل کمپنیوں کے چار ہتھکنڈے:

(۱) شوبز، (۲) کھیل، (۳) تہوار اور (۴) چار بیماری۔ اس سلسلے میں آپ تھوڑا سا غور وفکر کریں تو آپ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی ساری حرکات سمجھ جائیں گے۔ مثلاً:

(۱) شوبز کو لیجئے: اس مکروہ اور شیطانی کاروبار میں جتنی ترقی پچھلے تیس برسوں میں ہوئی اتنی کسی شعبے میں نہیں ہوئی۔ رنگین ٹیلی ویژن، انگریزی فلمیں کیسٹیں، وی سی آر، ڈی وی ڈی، ڈش انٹینا، کیبل اور انٹرنیٹ یہ کیا ہے؟۔ یہ وہ بیماری ہے۔ جس نے آرنلڈ، جینز فونڈا، میڈونا اور مائیکل جیکسن کو پوری دنیا کا ہیرو بنا دیا۔ آج میڈونا پاکستان جیسے پسماندہ ملک میں بھی اتنی ہی مشہور ہے۔ جتنی امریکہ اور یورپ میں۔

(۲) کھیل ملٹی نیشنل کمپنیوں کا دوسرا ہتھیار ہے۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں نے ایک سازش کے ذریعے کرکٹ، اسکواش اور ٹینس کو پوری دنیا کے کھیل بنا دیا۔ کرکٹ اس فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ یہ دنیا کا وہ کھیل ہے۔ جس میں زیادہ سے زیادہ اشتہارات کی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً آپ باؤلر کو دیکھیے جب باؤلر اسٹارٹ لینے کے لیے لائن کی طرف جاتا ہے۔ اپنی پتلون پر بال رگڑتا ہے۔ تو اس دوران ملٹی نیشنل کمپنیاں اسکرین اور ریڈیو پر اپنے اشتہارات چلاتی رہتی ہیں۔ ہر اوور اور ہر نئے کھلاڑی کی آمد کے دوران بھی اشتہارات چلائے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات ملاحظہ کیجیے۔ کہ کرکٹ کے کھیل میں باؤلرز کو زیادہ معاوضہ ملتا ہے۔ دنیا کے تقریباً تمام بڑے باؤلر ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ملازمین ہیں۔ یہ کمپنیاں انہیں ہر ماہ بھاری معاوضہ دیتی ہیں۔ یہ باؤلر کس چیز کا معاوضہ لیتے ہیں؟۔ یہ بہت دلچسپ سوال ہے۔ ان باؤلرز کو لمبے اسٹارٹ کا معاوضہ دیا جاتا ہے۔ کمپنی انہیں پابند کرتی ہے۔ کہ وہ جب بال کرانے جائیں گے تو زیادہ دیر تک بال پتلون کے ساتھ رگڑیں گے، آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دور تک جائیں گے۔ یہ وقفہ کمپنی کے لئے بہت قیمتی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت لاکھوں کروڑوں ناظرین کی آنکھیں اسکرین پر جمی ہوتی ہیں۔ اس لمحے کمپنی جو بھی اشتہارات دکھائے گی۔ کروڑوں لوگ وہ اشتہار دیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ کرکٹ کے مقابلے میں ہاکی اور فٹ بال جیسے کھیل تیسری دنیا میں اس لئے نہ پنپ سکے کہ یہ مسلسل کھیل ہوتے ہیں۔ ان میں اگر کوئی کھلاڑی بال لے کر بھاگتا ہے۔ تو ٹیلی ویژن کیمرہ اسے مسلسل دکھانے پر مجبور ہے۔ لہٰذا اس میں اشتہار کی گنجائش نکالنا تقریباً ناممکن ہے۔

(۳) تہوار ملٹی نیشنل کمپنیوں کا تیسرا بڑا ہتھکنڈا تھے۔ان کمپنیوں نے ایک مکمل سازش کے ذریعے نیو ایئر نائٹ، ویلنٹائن ڈے اور کرسمس جیسے تہواروں کو پوری دنیا کے تہوار بنا دیا۔اب ذرا خود دیکھئے! اس وقت نیو ایئر نائٹ پوری دنیا میں منائی جاتی ہے۔۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو ملینیم نائٹ منائی گئی۔اس رات صرف امریکا میں ۱۷۶ ارب ڈالر کی شراب پی گئی۔اس شراب کا فائدہ کس نے اٹھایا؟ شراب بنانے والی کمپنیوں نے۔ان کمپنیوں نے تین سال پہلے ہی سے ملینیم نائٹ کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔میڈیا کو پیسے کھلا کر پوری دنیا کو ملینیم نائٹ کے بخار میں مبتلا کر دیا گیا۔یہاں تک کہ پاکستان کے وہ لوگ جن کے پاس چارپائی تک نہیں تھی۔وہ بھی نئی صدی کے استقبال کے لئے ۳۱ دسمبر بارہ بجے سڑکوں پر کھڑے تھے۔یہی صورتحال ویلنٹائن ڈے کی ہے۔اس ملک کی آبادی کا زیادہ تر حصہ ''ویلنٹائن'' کے تلفظ تک سے واقف نہیں لیکن وہ پھول اُٹھا کر پھر رہا ہے۔

اب آتے ہیں بسنت کی طرف یہ ایک مقامی تہوار تھا جو مقامی سطح پر منایا جاتا تھا۔۸۰ء کی دہائی کے آخر میں ملٹی نیشنل کمپنیوں نے محسوس کیا اگر اس تہوار کی پشت پناہی کی جائے تو یہ تہوار منافع بخش کاروبار بن سکتا ہے۔چنانچہ لاہور میں ایسے لوگ تلاش کیے گئے۔جو اس سلسلے میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔ایسے لوگ تلاش کر لئے گئے۔یورپی ممالک نے اپنے سفارتکاروں کو بسنت کے تہوار میں شریک ہونے کی ہدایت کی۔وہ سفارتکار جو سفارتخانے سے نکلنے کے لئے حکومت سے حفاظت کی سو سو گارنٹیاں مانگتے ہیں۔وہ اندرون لاہور دو دو دن بسنت مناتے دیکھے گئے۔ملٹی نیشنل کمپنیوں نے بسنت کو اسپانسر کیا۔میڈیا نے اسے کوریج دی۔کوک، چائے اور ٹوتھ پیسٹ بنانے والوں نے اشتہار دیے، بسنت کے گانے ریکارڈ ہوئے اور پتنگیں اُڑاتے اداکار ٹیلی ویژن اسکرین پر دکھائے جانے لگے۔

(۴) بیماریاں اور ادویات ملٹی نیشنل کمپنیوں کا چوتھا ذریعہ ہیں۔آپ ذرا سوچیں ایڈز، ہیپاٹائٹس اور امراض قلب اس خطے کی بیماریاں ہیں؟۔نہیں! یہ یورپی امراض تھے۔ملٹی نیشنل کمپنیوں نے خوراک کے ذریعے یہ امراض اس خطے میں پیدا کیے اور آج تیسری دنیا کے کروڑوں اربوں لوگ قلب، جگر اور جنس کی اربوں ڈالر کی دوائیں کھا رہے ہیں۔

بسنت کا فائدہ دو طاقتوں نے اٹھایا:

آیئے! اب یہ سوچتے ہیں۔بسنت کا سب سے زیادہ فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔بسنت کا فائدہ دو طاقتیں اُٹھا رہی ہیں۔ملٹی نیشنل کمپنیاں جو اس تہوار کے ذریعے اپنی مصنوعات کے اشتہارات دیتی ہیں۔اور ہمارا دُشمن بھارت جو ہر سال پاکستان میں کروڑوں اربوں کا سامان بیچتا ہے۔دلچسپ حقیقت دیکھیے! جب لاہور اور پھر پورے پاکستان میں بسنت کو پذیرائی ملی تو امرتسر، ہریانہ اور دہلی بسنت کے ساز و سامان کی منڈی بن گئے۔پاکستان ہر سال بھارت سے کروڑوں روپے کی ڈور اور پتنگیں اور ان کے بنانے کا ساز و سامان درآمد کرتا ہے۔جو ظاہر ہے۔دشمن کی معیشت کو فائدہ پہنچانے کے مترادف ہے۔بسنت کے سلسلے میں بھارت کے اندر دو سیاسی فلسفے پائے جاتے ہیں۔کانگریسی بسنت کو برصغیر کا قومی تہوار سمجھتی ہے۔جبکہ شیوسینا اسے سکھوں کا تہوار کہتی ہے۔ہم پاکستان میں یہ تہوار منا کر کانگریس کے فلسفے کو طاقت فراہم کر رہے ہیں۔کانگریس کا یہ نعرہ تھا۔ہندو اور مسلمان کی ثقافت، زبان اور تہوار ایک ہیں۔

لہٰذا یہ دوقومیں نہیں ہیں۔ جبکہ مسلمانوں کا کہنا تھا۔ ہماری ثقافت، تہذیب، زبان اور تہوار ہندوؤں سے مختلف ہیں۔ لہٰذا ہم الگ قوم ہیں۔ یہ فلسفہ نظریہ پاکستان کہلاتا ہے۔ ہم پاکستان میں بسنت منا کر نظریہ پاکستان کی توہین کر رہے ہیں۔ ہم ثابت کر رہے ہیں۔ کہ کانگریس کے عمائد ٹھیک سوچ رہے تھے۔ وہ درست کہتے تھے۔ کہ ہم بسنت پر پیلے کپڑے پہنتے ہیں۔ ڈھول کی تھاپ پر ناچتے ہیں۔ عورتیں اور مرد اکٹھے گاتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ یہ سب ہندوانہ تہذیب کے آثار ہیں۔ ہم اس کے ذریعے سرحد پار یہ پیغام دے رہے ہیں۔ ''ہم صرف نام کے مسلمان اور پاکستانی ہیں'' تہذیب، شائستگی اور اخلاقیات بھی اس تہوار کی اجازت نہیں دیتی۔ ہلا گلا، شور شرابہ، ناچ گانا، تانک جھانک اور اسراف کی دنیا کی کوئی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔ یہ کیا تفریح ہے۔ جو جاتے جاتے بیسیوں جانیں ساتھ لے جاتی ہے، جس میں ایک رات میں کروڑوں روپے کی بجلی ضائع کر دی جاتی ہے۔ اور فحاشی اور عریانی کو جس کا حصہ بنایا جا رہا ہے؟۔

بسنت کی شہرت کیسے ہوئی؟

بسنت کا تہوار لاہور سے کیسے نکلا؟۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ کم دلچسپ نہیں۔ اس کا سہرا طالب علموں کے سر ہے۔ لاہور کو کالجوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ اس شہر کے تعلیمی ادارے ملک اور بیرون ملک مشہور ہیں۔ پورے ملک سے طالب علم ان میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ طالب علم لاہور میں بسنت دیکھتے رہے۔ تعلیم کے بعد جب یہ لوگ اپنے آبائی شہروں کو لوٹے یا پھر ملازمتوں کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں گئے تو بسنت بھی ساتھ لے گئے، یوں دوسرے شہروں میں بھی آہستہ آہستہ یہ گندا کھیل کھیلا جانے لگا۔ بسنت کس نے پھیلائی؟ یہ عوام کی زندگیوں کا حصہ کیسے بنی؟۔ یہ اس خطے کا تہوار ہے۔ یا نہیں؟۔ پاکستان اور پنجاب بسنت کے رنگوں میں کب رنگین ہوئے؟۔ یہ تمام سوال اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ بسنت کی زندگی میں ملٹی نیشنل کمپنیوں، بیرونی طاقتوں اور عالمی ایجنسیوں کا کیا کردار ہے؟۔ یہ سوال بھی اپنی جگہ کم اہم نہیں لیکن یہ حقیقت بھی اٹل ہے۔ جب تک حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہو کوئی جرم پورے معاشرے کو لپیٹ میں نہیں لیتا، کوئی گناہ پوری قوم کا گناہ نہیں بنتا اور کوئی رسم، ثقافت کا کوئی جزو تہذیب کا حصہ نہیں بنتی۔ بسنت ایک قدیم تہوار تھا۔ لیکن اس کو جدت اور زندگی ہماری موجودہ حکومت نے فراہم کی۔ خود سوچیے! جن خرافات کے لئے ۸ فروری ۲۰۰۳ء کو ۲۴۵ وی وی آئی پی اور ایک ہزار سے سوی آئی پی شخصیات سیمت ۳ ہزار اہم لوگ لاہور میں ہوں ان خرافات کو تہوار بننے سے کون روک سکتا ہے؟۔ اس رسم کو تہذیب کو حصہ بننے سے کون باز رکھ سکتا ہے؟۔

بسنت کے مضر اثرات:

بسنت کے ذریعے ہماری ثقافت تباہ ہوئی۔ ہمارا معاشرہ افراتفری اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہوا۔ ہماری نوجوان نسل گمراہ ہوئی۔ ہم نے تفریح کے نام پر پورے معاشرے کو نفسیاتی بیماری کے حوالے کر دیا۔ اور ہم نے اپنی معیشت، اپنا قومی وقار گروی رکھ دیا۔

ان تمام جرائم کے چھینٹے حکومت کے گریبان پر ہیں۔ اس کا ایک ہی مجرم ہے۔ اور اس مجرم کا نام ''حکومت'' ہے۔